بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال وجواب:

امریکہ کی افغانستان میں حکمت عملی

سوال: 15 اگست 2017 کو طالبان نے امریکی صدر کو ایک کھلا خط بھیجا اور مطالبہ کیا کہ وہ امریکی فوجیں واپس بلائے اور مزید وہاں امریکی فوج میں اضافہ نہ کرے، "طالبان تحریک نے امریکی صدر سے مطالبہ کیا کہ وہ افغانستان سے امریکی فوجوں کا مکمل انخلاء کرے اور ملک میں فوجیوں کے مزید اضافہ کے خلاف اپنے کھلے خط میں خبردار کیا جس کو واشنگٹن اب تک شکست نہیں دے سکا" (Source: Novosti - RT- Russia Today, 15/8/2017)۔ یہ کھلا خط ٹرمپ کی افغانستان سے متعلق نئی حکمت عملی کا منصوبہ بنانے کے جواب میں لکھا گیا جس کے متعلق طالبان کو اندیشہ ہے کہ اس میں افغانستان میں مزید افواج بھیجنا بھی شامل ہے جیسا کہ وہائٹ ہاؤس کے افسران کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکمت عملی کے مطابق جلد ایسا ہو گا۔ دی سائٹ نے 10 اگست 2017 کو ٹرمپ کے اخباری نمائندگان کو دیئے گئے بیان کا حوالہ دیا کہ: اس کی انتظامیہ بہت جلد افغانستان کے متعلق نئی حکمت عملی کو اختیار کرے گی۔۔ مزید اس نے کہا: "یہ میرے لئے بڑا فیصلہ ہے کیونکہ میرے ہاتھ میں معاملات بڑی خستہ حالت میں آئے تھے اور ہم اس کی خستہ حالی کو کم کریں گے"۔ کیا اس کا مطلب ہے کہ امریکہ افغانستان میں ایک نئی حکمت عملی اختیار کرنے کے متعلق سنجیدہ ہے؟ کیا اس میں مزید نئی افواج کو بھیجنا شامل ہو گا یا پھر اس میں افواج کو بھیجے بغیر صرف پاکستانی اور ہندوستانی کردار میں اضافہ کرنا شامل ہو گا؟" جزاک اللہ خیر

جواب: جی ہاں، بالکل یہ کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ مجموعی طور پر افغانستان میں اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کر رہا ہے اور شائد اس کو وہ رستہ بھی مل جائے جس کو وہ افغانستان میں اپنی مداخلت کا آخری مرحلہ کہتا ہے۔ ٹرمپ افغانستان میں اپنے فوجی سربراہوں پر سخت ناراض ہے۔ رائٹرز نے 3 اگست 2017 کو رپورٹ دی کہ ٹرمپ اور فوجی افسران کے درمیان واشنگٹن میں ایک گرم بحث ہوئی ہے: اور اس ملاقات کے دوران زبردست تناؤ ہوا جب ٹرمپ نے کہا کہ دفاع کے سیکریٹری جنرل جیمس میٹس اور جوائنٹ چیف آف سٹاف جنرل جوسف ڈنفرڈ کو چاہیے کہ افغانستان میں امریکی فوج کے کمانڈر جنرل جان نکولسن کو برطرف کریں کیونکہ اس نے جنگ میں کامیابی حاصل نہیں کی اس طرح ٹرمپ نے افغانستان کی جنگ سے متعلق اپنا خدشہ ظاہر کیا۔ اس سے قبل اوباما انتظامیہ نے بھی افغانستان میں امریکی حکمت عملی پر نظر ثانی کر کے تبدیلی کی تھی البتہ ٹرمپ انتظامیہ کا نظر ثانی کرنا آج بڑا اہم ہے کیونکہ یہ ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب امریکہ خود عالمی مسائل میں الجھتا جا رہا ہے اور اس کی ساکھ متاثر ہو رہی ہے جس کی تفصیل یوں ہے:

اول: امریکہ نے 11 ستمبر 2001 کے حملے کو جواز بنا کر 2001 میں افغانستان میں اپنی جنگ کا اعلان کیا تھا جس کی پشت پر نو قدامت پرستوں کا ہاتھ تھا جنہوں نے بش کی محدود چھوٹی انتظامیہ کو گھیر رکھا تھا۔ اس کے بعد دو سال کے اندر ہی امریکہ نے عراق پر حملہ کر کے اس پر قابض ہوا اور اس کی ریتیلی دلدل میں دھنستا چلا گیا اور پھر اس سے نکلنے کے لئے مدد تلاش کی۔ عراق میں امریکہ کی ناکامی نے افغانستان کی جنگ سے اس کی توجہ عراق پر مبذول کروائی اور پھر عراقی مزاحمت کے شدید تر ہونے کی پریشانی کے ساتھ بش انتظامیہ نے اپنی ساری توجہ عراق سے باہر نکلنے میں لگائی اور اس کے بعد اوباما انتظامیہ نے بھی عراق سے باہر نکلنے کی فکر کو مقدم رکھا اور اوباما انتظامیہ نے سال 2011 کے اواخر میں زیادہ تر امریکی فوج کو عراق سے باہر نکال لانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد ہی امریکہ چین کی ابھرتی ہوئی طاقت سے نمٹنے کے لئے کوئی حکمت عملی اختیار کر سکا اور اوباما انتظامیہ کے دوسرے دور میں اسی سے نمٹنا اس کے لئے نہایت اہم رہا اور اس حکمت عملی کی تیاری اور اس کو مکمل شکل دینے سے قبل وسط مشرقی ایشیاء میں امریکہ کے غلبے کو عرب بہار نے متزلزل کر دیا تھا بالخصوص ملک شام میں اور پھر یوں امریکہ اپنی توانائی اور کوششیں عرب خطے میں انقلابات کے خطروں کا سدباب کرنے میں لگاتا آیا ہے بالخصوص ملک شام اور مشرق بعید میں چین کے خلاف اس نے توجہ مرکوز کر رکھی ہے۔

امریکہ نے جنوبی چینی سمندر میں چین کے جزیروں کی ملکیت کا علی الاعلان انکار کیا اور جاپانی افواج کو دوبارہ کھڑا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور شمالی کوریا کو اشتعال دلانے کی پالیسی پر آگے بڑھتا چلا گیا۔ چنانچہ ان وجوہات اور افغانستان کی جنگ میں نسبتاً کم امریکی ہلاکتوں کی وجہ سے افغانستان میں امریکی جنگ پر امریکہ نے کم توجہ دی حالانکہ اس بات سے افغان جنگ کو نظر انداز کیا جانا اتنا ظاہر نہیں ہوتا ہے جتنا کہ یہ کہ امریکہ کا نئی ترجیحات کو اختیار کیا جانا امریکہ کی توجہ کا مرکز بن گئی ہے۔

دوم: افغانستان میں جاری 16 سال کی طویل جنگ کے دوران اس بات کو یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ اور ناٹو افواج جو اس جنگ میں شامل رہی ہیں افغان مزاحمت بالخصوص طالبان کو کچلنے میں بری طرح ناکام رہی ہیں جو امریکی مداخلت کے ذریعے 2011 میں اقتدار سے برطرف کیے گئے تھے۔ اس کے ساتھ اس بات کا بھی دعوی کیا جاسکتا ہے کہ امریکی ایجنٹوں کو افغانستان میں مستحکم کرنے کے تمام امریکی کوششیں بھی ناکام ہوئی ہیں؛ امریکہ بھارت کو افغانستان میں کھینچ لایا تاکہ افغان مزاحمت کو روکا جائے لیکن یہ بھی اس کے لئے فائدہ مند نہیں رہا۔ اس کے علاوہ اس جنگ سے بھی امریکہ کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں کر سکا جو اس کے پاکستانی ایجنٹوں نے وزیرستان اور دیگر علاقوں پر مسلط کر رکھی تھی تاکہ افغانستان میں امریکی نقصان کی کسی طرح تلافی کی جاسکے اور اسی طرح طالبان کے ساتھ مصالحت کی کوششوں میں بھی اُسے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ سولہ سال کی جنگ کے باوجود افغانستان میں امریکی صورتحال نازک دکھائی دیتی ہے اور طالبان افغانستان کے اکثر علاقوں میں آزادانہ نقل و حمل کرتے ہیں اور جبکہ کابل میں قائم ایجنٹ حکومت کا ان علاقوں پر کوئی کنٹرول اور اثر ورسوخ نہیں ہے اور افغانستان کے بیش تر علاقوں میں تحریک زبردست اور شدید حملے مسلسل کر رہی ہے جن میں کابل بھی شامل ہے جہاں پر امریکی فوجیں اب تک تحفظ فراہم کرنے میں ناکام ہیں جبکہ اکثر حملے جو امریکی فوج کے خلاف کیے گئے تھے وہ ان افغان فوجیوں کی جانب سے تھے جن کو امریکہ نے ہی تربیت دی تھی چنانچہ افغانستان میں امریکہ کے پاس مواقع تنگ ہوئے ہیں۔

موجودہ افغان صورتحال اور اس کی موجودہ حقیقت اور خطرات کے متعلق بیان کرتے ہوئے Carnegie Endowment for International Peace (22/5/2017) نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "کمزور ہوتا ہوا افغان اقتدار اور طالبان بغاوت پر کسی قسم کی روک نہ ہونے سے افغان حکومت اور ریاست کا بری طرح گرجانا عین ممکن ہے جس کے نتیجہ میں یا تو انتشار و بدامنی کی صورت حال واپس لوٹ آئے گی یا پھر دہشت گرد گروہ دوبارہ منظم ہونے لگیں گے"۔ اور رپورٹ اس بات پر زور دیتی ہے کہ افغان لڑائی کو ختم ہو جانا چاہیے اور یہ نہ صرف اس لئے کہ امریکہ کے اس جنگ پر سالانہ اخراجات 23 بلین امریکی ڈالر ہیں بلکہ کسی بھی حل کو حاصل کرنے کے لئے امریکہ کے پاس موجود مواقع بہت ہی محدود ہیں۔

اور باوجود یکہ اوباما انتظامیہ کے دور میں افغانستان سے مختلف امریکی افواج کا انخلاء ہوا اور صرف دس ہزار امریکی فوجی رہ گئے ہیں جن کو تین ہزار نیٹو افواج اور اس کے علاوہ امریکی سیکوریٹی کمپنی کے بیس ہزار جنگجوؤں کا سہارا و تعاون حاصل ہیں اور یہ انخلاء فتح یا کسی قسم کی کامیابی حاصل ہونے کی وجہ سے نہیں تھا۔ امریکی افواج کے جانے کے ساتھ ہی ان کے خالی کردہ فوجی اڈے فوراً طالبان کے قبضہ میں آگئے اور کسی بھی طرح یہ نظر نہیں آتا کہ امریکہ کی پٹھو افغان حکومت کی افواج اپنی بڑی تعداد اور امریکی افواج کے ذریعے تربیت پانے کے باوجود کابل کے باہر کسی طور پر بھی موثر کام کرسکتی ہو۔ یہ صورتحال فوجی پہلو کے حوالے سے ہے۔

سوم: سیاسی پہلو سے، افغانستان میں اپنے تنگ ہوتے مواقعوں اور بھارت کے استعمال کے بے سود اور غیر موثر ہونے کو محسوس کر لینے کے بعد امریکہ نے طالبان کے ساتھ اس امید سے مذاکرات شروع کیے تھے تاکہ ان کو کسی طرح افغانستان میں امریکہ کی حکومت میں شامل کر لیا جائے اور اس کے لئے اس نے پاکستان میں موجود اپنے ایجنٹ پٹھوؤں کو استعمال کیا تاکہ طالبان کے سربراہوں کو مذاکرات کی میز پر کھینچ کر لائیں۔ البتہ وہ تمام تر کوششیں ناکام ہوئیں اور امریکہ افغانستان کے متعلق فوجی اور سیاسی دونوں محاذ پر ناکام ہوا لیکن امریکہ کے پاس افغان مسئلے کے متعلق کوئی مخصوص منصوبہ موجود نہیں ہے اور کسی منصوبے کا نہ ہونا امریکہ پر تنقید کا موضوع ہے۔ انٹر فیکس ایجنسی نے جمعرات کے روز روسی وزارت خارجہ کے ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ افغانستان میں پھیلے عدم استحکام اور بدامنی کی صورتحال کی ایک وجہ ڈونلڈ ٹرمپ انتظامیہ کا افغانستان کے متعلق کسی واضح پالیسی کو پیش نہ کر پانا ہے اور مزید کہا کہ امریکی فوج کی موجودگی کا انحصار افغان ریاست کے استحکام اور نیٹو رکن ممالک کے موقف اور افغانستان کی صورتحال کو حل کرنے کے امکانات پر ہے۔ (Russia Today, 3/8/2017)

چہارم: چنانچہ افغانستان میں امریکی بحران کی گہرائی اور اس کو حل کرنے کے مواقعوں کا محدود ہونا ان سب باتوں سے واضح ہو جاتا ہے البتہ اگر وہ مکمل طور پر افغانستان کی جنگ کو ختم نہ کر سکا تو بھی اس کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اُسے سرد کر دیا جائے تاکہ اس کی فوج طاقت اور معاشی طاقت میں ہونے والی کمی کو روک سکے۔ کچھ امریکی فوجی رہنما سمجھتے ہیں کہ افغانستان میں جنگ جیتنے کے لئے مزید فوج بھیجنے کی ضرورت ہے جبکہ ٹرمپ کسی بھی منصوبے کو قبول کرنے کے لئے ان سے ایک قلیل مدتی فوجی پروگرام، واضح اور ٹھوس نتائج کی شرط سامنے رکھتا ہے اور 16 سال کی طویل جنگ کے دوران حاصل ہوئے تلخ تجربات کی وجہ سے امریکی فوج یہ فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ اس منصوبے کو نظریاتی طور پر یعنی کاغذ پر قبول کرنے کے لئے ٹرمپ کو جس چیز نے آمادہ کیا ہے وہ افغانستان کی زبردست معدنی دولت ہے جس کو حاصل کرنے کی لالچ میں اس کی رال ٹپک رہی ہے جس کی مالیت کا حساب ایک ٹریلین ڈالر تک لگایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وسطی ایشیاء سے تیل کی گزرگاہ کے طور پر افغانستان کا جغرافیائی اہمیت کا حامل ہونا بڑا اہم ہے۔ الدستور نیوز پیپر ویب سائٹ نے 26 جولائی 2017 کو نیویارک ٹائمز کے حوالے سے رپورٹ کیا کہ "کیا کچھ ممکن ہے اس کی تفتیش کے لئے وہائٹ ہاوس نے اپنا ایک سفیر افغانستان بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے جو وہاں جاکر کان کنی کے افسران سے ملاقات کرے گا۔ پچھلے ہفتے وہائٹ ہاؤس میں افغانستان کی پالیسی کو لے کر ایک زبردست بحث ہوئی جس کے دوران صدر ٹرمپ کے تین سینئر عہدیداران نے کیمیکل

اگیزیکٹوMichael N. Silverمائیکل سلور سے ملاقات کی تاکہ انتہائی نایاب معدنیات کو نکالنے سے متعلق ممکنات کو جان سکیں۔ مسٹر سلور کی فرم، امریکن ایلمنسAmerican Elements، ان معدنیات کو نکالنے میں مہارت رکھتی ہے جو مختلف قسم کے اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی کی مصنوعات میں استعمال ہوتے ہیں "۔ البتہ مزید فوج افغانستان بھیجنا اور افغانستان کے انفراسٹرکچر جیسے ریلوے اور روڈ وغیرہ پر سرمایہ کاری کرنا تاکہ معدنیات کو نکالنے میں آسانی ہو بڑا غیر محفوظ ہو گا حتی کہ امریکی صدر ٹرمپ کی ذہنیت پر حاوی تجارتی معاملات کے نقطہ نظر سے بھی یہ غیر محفوظ ہو گا کیونکہ ان معدنیات کی کانیں طالبان کے زیر اقتدار علاقوں میں ہیں۔

چنانچہ متوقع ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ امریکی فوج کو واپس اس کے افغانستان میں پھیلے فوجی اڈوں میں بلائے گی تاکہ بھارت کی ناکامی کے بعد امریکہ کی افغانستان میں واپسی کے ذریع اور پاکستان کی مدد سے افغان پٹھو حکومت کو گرنے سے بچائے اور برقرار رکھا جاسکے۔ یہ سب کچھ طالبان کو کابل میں قائم کردہ امریکی سیاسی نظام میں شرکت اختیار کرنے کے لئے راضی کرنے اور افغان انقلاب کو روکنے کی خاطر ہے اور یہی سب سے طویل امریکی جنگ کے اختتام کا منصوبہ ہے۔ اس طرح امریکہ اپنی افغان جنگ کے اخراجات میں کمی لانے کی امید رکھتا ہے اس لئے فوجوں کو فوجی اڈوں میں منتقل کرنا چاہتا ہے اور کسی بھی متوقع خطرے کی صورت میں اس کو دوبارہ حرکت دی جاسکے جیسا کہ اسی سے ملتی جلتی حکمت عملی کے تحت امریکی فوجیں جس طرح خلیج میں فوجی اڈوں کے اندر موجود ہیں اور پاکستان میں اپنے ایجنٹوں کی مدد سے امید کرتا ہے، جن کے طالبان سے روابط ہیں، کہ ان رابطوں کو دوبارہ زندہ کریں اور طالبان کو اعتماد دلانے کی کوشش کریں تاکہ پاکستان کی سرحد کے اس پار کے طالبان امریکی شرائط کو تسلیم کرلیں۔ امریکہ نے اس سے قبل اوباما کے دور میں اپنے پاکستانی ایجنٹوں کو کامیابی کے ساتھ اس قسم کے کام کے لئے استعمال کیا تھا جب: افغان حکومت نے افغانستان کی سب سے بڑی اسلامی پارٹی کے ساتھ معاہدہ کیا تھا جو ملک کا دوسرا سب سے بڑا لڑاکا گروہ ہے اور پارٹی کے لیڈر گلبدین حکمت یار کی غیر موجودگی میں اس گروہ کے نمائندگان نے صدر اشرف علی گیلانی کے ساتھ معاہدے پر دستخط کئے تھے (BBC, 22/9/2016)۔ یہ بات امریکہ کی حوصلہ افزائی کرتی ہے تاکہ وہ پاکستان کو طالبان سے متعلق اسی طرح استعمال کرے تاکہ وہ بھی اس امریکی سیاسی نظام کا ایک حصہ بن جائے بالخصوص جبکہ گلبدین حکمت یار نے مصالحت کا موقف اختیار کرلیا ہے اور کابل واپس لوٹے اور پھر اسلامی پارٹی کے سربراہ نے طالبان کو بھی افغان حکومت کے ساتھ مصالحت اختیار کرنے کی دعوت دے ڈالی اور اپنی پہلی عوامی تقریر میں تحریک طالبان کو پُرامن طریقوں سے خارجی افواج کو افغانستان سے نکال باہر کرنے کی خاطر تعاون کے لئے ابھارا (Al Jazeera.net, 6/5/2017) -

پنجم: کیونکہ چین کے ساحل پر امریکہ کے لیے ایک زبردست خطرہ منڈرا رہا ہے بالخصوص جو دھماکے دار صورت حال شمالی کوریا کے ساتھ قائم ہوتی جارہی ہے اور ملک شام میں خطرہ جاری ہے اور حقیقی معاشی بحالی کی خاطر ہر ایک امریکی پالیسی کا ناکام ہونا اور پھر امریکی افواج کا افغانستان میں خستہ حال ہونا، فتح حاصل نہ کرپانے سے پست حوصلہ ہونے، افغان میں مقامی طور پر بھارت کا اپنا کردار ادا کرپانے میں ناکامی اور گلبدین حکمت یار کے واپس پلٹ آنے سے امریکہ کا امید کا باندھنا ظاہر کرتا ہے کہ اس مصالحت سے امریکہ وہ کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے جو وہ جنگ کرکے حاصل نہیں کرسکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ افغانستان میں پاکستان کے کردار کو دوبارہ زندہ کرنے اور افغانستان کی سرحد یا سرحد کے اندر پاکستان کی جانب سے حملوں کو بند کروانے کی طرف پلٹا ہے۔ آٹھ مہینے قبل جنرل باجوہ کے ماتحت آئی نئی فوجی قیادت نے گذشتہ فوجی قیادت راحیل شریف کی ماتحتی میں پاکستان کے جنگی میدان میں بڑے پیمانے پر کیے جانے والے آپریشن جیسے ضرب عضب کو روک دیا ہے جو مختلف مرحلوں میں افغان سرحد پر واقع ان لوگوں کے خلاف کیا گیا تھا جن کو راحیل شریف "دہشت گرد" کہا کرتا تھا۔ اس کے برخلاف اب جنرل باجوہ کی کمان میں پاکستانی فوج اور بھارتی فوج کے مابین کشمیری سرحد پر چھوٹی جھڑپوں کی رپورٹیں ہیں اور بلاشبہ یہ سب پاکستانی فوجی قیادت کو داخلی طور پر پاکستان اور طالبان کے رہنماوں میں قابل قبول بناتا ہے۔

نئے پاکستانی آرمی چیف جنرل باجوہ نے داعش کے خلاف لڑنے کے نام پر افغانستان کے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھایا ہے اور اس کا مطلب ایک بار پھر "دہشت گردی کے خلاف" جنگ چھیڑنا ہے اور اب یہ طالبان اور وزیرستان کے مجاہدین کے خلاف لڑنے کی بجائے داعش کے خلاف لڑنے کے لئے کی جائے گی اور اس میں افغانستان کی حکومت اور سابق جنرل راحیل شریف سے (ان پر حملوں کی وجہ سے) متنفر افغان قبائل شامل ہیں جبکہ جنرل باجوہ اور طالبان و افغانستان کے درمیان بات چیت کے پس پشت جو کچھ مخفی ہے اور بھی زیادہ خطرناک ہے (پاکستان آرمی چیف قمر جاوید باجوہ نے داعش کا سامنا کرنے کے لئے سیکوریٹی کی خاطر تعاون کا جو ہاتھ بڑھایا ہے دونوں پڑوسی ممالک کے درمیان دوطرفہ تعلقات میں ہونے والی ایک شاذونادر پیش رفت ہے جنرل باجوہ نے جمعہ کے روز وادی کرم میں ہونے والی قبائلی سرداروں کے ساتھ ملاقات میں افغانستان کے ساتھ سیکوریٹی تعاون شروع کرنے کی خواہش ظاہر کی جس میں مختلف قبائل کے سربراہ شامل تھے جو افغان سرحد کے قریب وفاقی انتظامیہ کے ماتحت چلنے والے پاکستان کے قبائلی علاقے کے انتظامی ڈویژن کا حصہ تھے۔ اس دوران پاکستانی کمانڈر نے افغانستان کے ساتھ دوطرفہ

تعلقات میں ہونے والی شاذونادر پیش رفت میں شامل دونوں پڑوسی ملکوں کے تمام لوگوں کو دعوت دی تا کہ وہ "متحد اور چوکنا" ہوں۔ اور قبائلی سربراہوں کی میٹنگ میں اس پر زور دیا کہ "ہمیں اس خطرے کے خلاف متحد و مستعد اور چوکنا رہنا ہوگا"(Gulf Online, 1/7/2017)

اور جو بات افغان مجاہدین کو شکست دے پانے میں امریکہ کی ناکامی کو ظاہر کرتی ہے بالخصوص طالبان تحریک کو، وہ ٹرمپ کے سعودی عرب دورے میں ہونے والے سربراہی اجلاس کے بعد افغان صدر کا بیان ہے جس میں انہوں نے کہا کہ: "سب سے اہم بات یہ ہے کہ افغان حکومت مصالحت چاہتی ہے اور ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ طالبان کو موقع دیا جائے اور اگر وہ مصالحت کی راہ اختیار کرتے ہیں تو وہ سیاست اور قانون کے راستے سے سب کچھ حاصل کر سکیں گے اور ہم طالبان سے دہشت گردوں سے دوری رہنے کا مطالبہ کرتے ہیں(The Middle East, 25/5/2017)

یہ بتاتا ہے کہ اب امریکی پالیسی چاہتی ہے کہ طالبان کو دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کے دائرہ سے باہر بتایا جائے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یعنی طالبان اس جنگ میں افغان حکومت کے ہمراہ کھڑے ہو جائیں اور یہ کہ طالبان کی جانب سے امریکی افواج کے مکمل انخلاء کا مطالبہ امن کے ذریعے پورا ہو سکے گا نہ کہ جنگ کے ذریعے۔

ششم اور خلاصہ میں: امریکی صدر ٹرمپ کی افغانستان میں حکمت عملی پر ایک ایسے وقت میں نظر ثانی کی جا رہی ہے جب امریکی پالیسی دنیا بھر میں خطرات سے دوچار ہے اور اوپر بیان ہوئی حقیقتوں کی بناء پر عین ممکن ہے کہ افغانستان میں امریکی پالیسی پر نظر ثانی کے لئے ان مختلف نقاط کو شامل کیا جائے گا:

1۔ یہ نظر ثانی افغان جنگ کے میدان کو بڑے پیمانے پر سرد کرنے کی خاطر کی جا رہی ہے جس کے تحت امریکی افواج کی موجودگی کو فوجی اڈوں کی حد تک رکھا جائے گا اور خطرات کے پیش نظر ان کا استعمال ہو گا تا کہ ظاہر ہو کہ امریکی مشن داعش کے خلاف ہے۔

2۔ یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ امریکہ لڑائی اور جنگ کو بڑھاوا دینے کی خاطر مزید افواج بھیجے گا لیکن قلیل مدت کے لئے وہ مزید افواج کو بھیج سکتا ہے جس کا مقصد جنگ یا لڑائی نہیں بلکہ مذاکرات کے دوران اس کی موجودگی کو لین دین کے کارڈ کے طور پر استعمال کیا جا سکے، گویا کہ امریکہ کہہ رہا ہے کہ وہ اپنی طرف سے ان مزید آنے والی اضافی امریکی فوج کے انخلاء کے ذریع مصالحت کے لئے تیار ہے اور یہ انخلاء طالبان کی جانب سے اس کے ساتھ مصالحت اختیار کرنے کے عوض میں ہے اور جبکہ وہ افغان حکومت کے ساتھ اقتدار میں شریک ہونے کی خاطر مذاکرات کو قبول کر لیں، اور ہاں جبکہ طالبان امریکی مفاد کو نشانہ نہ بنائے۔

3۔ طالبان کو ورغلانے اور امریکی پیشکش کو مزید پرکشش بنانے کی خاطر، امریکہ دوبارہ پھر سے پاکستانی کردار کو زندہ کرے گا جس کے ذریعے ظاہر کرے گا کہ پاکستان کی فوجی قیادت طالبان کے متعلق نرم اور ہمدردانہ رویہ رکھتی ہے تا کہ وہ طالبان پر اس خاطر زور ڈال سکے کہ وہ یعنی طالبان کابل میں موجودہ افغان پٹھو حکومت کے ساتھ مصالحت قبول کرنے اور مذاکرات کے لئے بیٹھنے پر تیار ہو جائیں اور امریکی سیاسی نظام کے تحت اقتدار میں شریک ہو جائیں۔

ہفتم و آخر: ہم پاکستان کے غدار ایجنٹوں پر اعتبار کرنے یا پھر اس کی فوجی قیادت کی جانب سے افغانستان کے لئے کسی بھی نرمی رکھنے کے متعلق کسی قسم کے دھوکے میں رہنے سے خبردار کرتے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم ماضی سے سبق لیں کہ امریکہ پاکستانی حکومت میں موجود اپنے ایجنٹوں کی مدد کے بغیر اپنے بوٹ افغانستان میں نہیں اُتار سکتا تھا اور طالبان کے خلاف پاکستانی حکومت کی نئی پالیسی ایک نئے امریکی ڈرامے کے سواء کچھ نہیں ہے تا کہ ایک دوسرے ڈرامے اور شو کو تقویت بخشی جائے جس کے ذریعے مہنگی پڑنے والی امریکی فوجی مداخلت کے بغیر یا کم سے کم قیمت اداء کر کے اپنے پاکستانی ایجنٹوں اور افغان حکومت پر لاحق خطرات کو دور کیا جائے۔ اس پالیسی کا مقصد اس کے سواء کچھ اور نہیں ہے اور پاکستان کے نئے حکمران نئے چہروں کے علاوہ کچھ اور نہیں جو امریکی منصوبہ سے جڑے اور بے نقاب ہوئے چہرے ہیں۔ امریکہ کبھی پاکستان میں موجود اپنے ان غلاموں کو کہتا ہے کہ افغان جہاد کے خلاف سخت گیر ہو کر اس کو توڑیں جیسا کہ بدنام زمانہ راحیل شریف نے وزیرستان میں اوباما کے منصوبے پر عمل درآمد کر کے کیا تھا اور اب امریکہ کے نئے برسر اقتدار لوگ اس کوشش میں ہیں کہ طالبان کو ورغلا سکیں اور ٹرمپ کے منصوبے کے تحت طالبان کو خطرناک "مذاکرات کی میز" پر بٹھانے کی امریکی پالیسی کے ناکام ہو جانے کی صورت میں بھی ان کو قابو میں لایا جا سکے تا کہ جہاد کرنے کے لیے کسی بھی باقی رہ جانے والی ان کی قوت ارادی کو توڑا جا سکے، اور اسی لئے گمراہ کرنے اور دھوکہ دینے کے لئے پاکستان کے قریبی روابط کے توسط سے وہ مذاکرات کی خاطر زور ڈال رہے ہیں۔ ہم اس خطرے سے خبردار کرتے ہیں کہ امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کے بچھائے ہوئے جال میں نہ پھنسیں یا ان پر کسی قسم کا کوئی بھی اعتبار نہ کریں۔

(وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ)

"اِن ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمہیں کوئی مددگار نہ ملے گا جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی "(سورۃ ہود:113)

24ذی القعد 1438ہجری

16اگست 2017